مخطوطہ شناسی میں حافظ محمود شیرانی کی اوّلیت

کلثوم طارق برنی
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین گوالمنڈی، لاہور

HAFIZ MAHMOOD SHERANI

THE POINEER OF MANUSCRIPT READING IN URDU

Kulsoom Tariq Burney
Principal Govt. Degree College (W) Gawlamandi, Lahore

Abstract

This article aims at establishing Hafiz Mahmood Sherani as pioneer of Manuscript Reading in Urdu. Hafiz Sherani is credited with the introduction of rules for editing in Urdu language. He painstakingly edited "Khaliq e Bari" and "Diwan e Zauq" which proved to be exemplary work in the field of editing and helpful for the Urdu researchers to come. Truly, he deserves to be regarded as the pioneer in the field of Manuscript Reading in Urdu language.

Keywords: تعبیر، فن، جمالیاتی، نقاد، تقلیدی متن، مخطوطہ، امیر خسرو، تنویر احمد علوی، مولوی عبدالحق، عرفی

تعمیر یا فن کے جو بھی ضابطے، تجربے یا انکشافات افادی یا جمالیاتی نقطہ نگاہ سے مغرب میں پسند خاطر ہیں، ضروری نہیں کہ وہ سب ہماری آب وہوا اور احساس وآہنگ کو بھی راس آئیں اور ان فنون کی تہذیب وترقی کا باعث ہوں۔ لیکن اکثر یہی ہوتا ہے کہ ہم اپنی سہل پسندی، جلد بازی یا ایک ترقی یافتہ تمدن کی فتوحات سے مرعوب ہوکر ان کا اطلاق اپنے مسائل وحالات پر کرنے لگتے ہیں۔ اس کے ثبوت کے لئے صرف حالی کی تنقید پر نظر ڈالنا ہی کافی ہے۔ عالمی ذخیرہ علم وآگہی بنی نوع انسان کی مشترک میراث ہے۔ ہر ملک اور ہر زبان کی ترقی کے لئے اس سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔ لیکن استفادہ اور نقالی میں فرق ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ گزشتہ نصف صدی میں اردو زبان میں تنقید کے مقابلے میں تحقیق زیادہ احساس توازن کے ساتھ اپنی زمین پر اور اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی ہے۔ اس نے مغرب سے حقائق کی معروضی جانچ، پرکھ، منطقی استدلال اور سائنسی تجزیہ کے کچھ آلات ضرور لیے ہیں۔ لیکن نامعلوم اور گم شدہ حقائق کی جستجو میں اس کا زادِ سفر مشرق کے وہ اصول تحقیق ہی رہے ہیں جن کا اعلیٰ ترین نمونہ احادیث کی تدوین میں نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو میں اچھی تنقید کے نمونے وہی ہیں جن کی بنیاد شعر وادب اور ان کی تخلیق کے محرکات، تحقیقی مطالعہ اور تجزیہ پر رکھی گئی ہے۔ اردو ادب کو نقادوں کی صورت میں مستند عالم میسر نہیں آئے لیکن مستند عالم محقق کی صورت میں ہر دور میں میسر آئے۔ مولوی عبدالحق ہوں یا قاضی عبدالودود، امتیاز علی عرشی ہوں یا سید مسعود حسن رضوی، پروفیسر محی الدین قادری زور ہوں یا مشفق خواجہ، جب بھی اردو ادب پر تحقیقی وتاریخی حوالے سے بات کی جائے گی حافظ محمود شیرانی کے ذکر کے بغیر نامکمل اور تشنہ ہوگی۔

متن کسی عبارت، تحریر یا نقش کو کہتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر تنویر احمد علوی:

> بعض اوقات متن دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ "اصل متن" اور "اضافی متن" کچھ "املائی متن" ہوتے ہیں۔ ایک شخص بولتا جاتا ہے اور دوسرا لکھتا جاتا ہے۔ اب اگر وہ جو کچھ سنتا ہے، وہی لکھتا بھی جاتا ہے تو اسے "تقلیدی متن" کہنا زیادہ مناسب ہے۔ (۱)

معلوم متن میں اہم ترین مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوتا ہے۔ اسی کو "اساسی متن" بھی کہتے ہیں۔ مختلف اصطلاحات جو تحقیقی یا مخطوطہ شناسی کے بنیادی اصولوں کی ذیل میں آتی ہیں، ان کا ذکر

ضروری ہے۔ترمیم تعبیر، تنسیخ اور تصحیح وغیرہ تفصیل میں جانے کی بجائے حافظ محمود شیرانی کے حوالے سے ان تمام اصطلاحات کو زیر بحث لاتے ہیں۔

کسی بھی مخطوطہ کی پہچان کے لئے پہلا سوال یہی اٹھتا ہے کہ وہ مخطوطہ یا تحریر اسی مصنف کی ہے یا نہیں جس کا نام اس تحریر سے جوڑا جا رہا ہے۔"خالق باری"بچوں کے نصاب کی مشہور و معروف کتاب ہے۔ جسے امیر خسرو سے منسوب کیا جاتا رہا ہے۔مگر امیر خسرو کی تصنیفات میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔ جب"خالق باری"پر مصنف کی بحث شروع ہوئی تو اسے مجہول تصنیف سمجھا گیا۔ لیکن کچھ محققین اس کو امیر خسرو کی تصنیف ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔حافظ محمود شیرانی نے اسی مخطوطے کے بارے میں دلائل سے ثابت کیا کہ یہ امیر خسرو کی تصنیف نہیں ہے۔اس کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اگر خالق باری حضرت امیر خسرو کی تصنیف ہوتی تو صورت واقعات بالکل مختلف ہوتی۔اس عہد سے لے کر اب تک سینکڑوں نصاب اسی کی تقلید میں لکھے جاتے۔ شارحین اس کی شرح لکھتے۔اہل لغت اسی سے استشہاد کرتے، اور کتاب ہذا مختلف لغات کے واسطے ایک معتبر اور سندی ماخذ قرار پاتی۔ بہت کم لوگ واقف ہیں کہ جس بے سرو سامانی اور مشکلات کے ماحول میں آٹھویں، نویں اور دسویں صدی ہجری کے فرہنگ نگاروں نے اپنی کتب لغات ترتیب دی ہیں۔ وہ ادنی ادنی شرحوں سے لغات جمع کرتے ہیں۔کتابوں کے حواشی سے الفاظ چنتے ہیں۔زندہ اساتذہ سے تحقیق کرتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں۔خطوط و مکتوبات سے سند لیتے ہیں۔وغیرہ وغیرہ۔اگر امیر خسرو اتنا بڑا مجموعہ لغت اپنی یادگار چھوڑ جاتے۔ جو کہا جاتا ہے۔۔۔کس طرح ممکن تھا کہ یہ فرہنگ نگار جو درجن سے زیادہ ہیں۔ اس سے استفادہ نہ کرتے بلکہ اس کے وجود سے بھی بے خبر رہتے۔(۲)

پروفیسر شیرانی کے دلائل درست ثابت ہوئے۔جب انھوں نے "خالق باری" کو مرتب کیا تو ۱۱۸۷ھ کا ایک نسخہ مولوی عبدالحق نے شیرانی کو دکھایا۔جس کے دیباچے سے یہ انکشاف ہوا:

> خالق باری کا اصل نام حفظ اللسان ہے اور اس کا مصنف عہد جہانگیر کا ایک شاعر ضیاءالدین خسرو ہے۔جس نے ۱۰۳۱ھ میں یہ کتاب لکھی۔(۳)

اسی طرح قصہ چہار درویش کو امیر خسرو سے منسوب کیا گیا۔ پروفیسر شیرانی نے اس بات کی تردید میں بھی دلائل سے کام لیا:

۔۔۔ جب ہم اصل قصہ چہار درویش کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس سے متعدد ایسے وجوہ اور قرائن پاتے ہیں جو ایک طرف امیر خسرو سے اس کے تعلق کی تردید کرتے ہیں اور دوسری طرف اس کے جدید الاصل ہونے کی تائید بھی کرتے ہیں۔(۴)

شیرانی صاحب اسی داستان کے بعض اشعار کی نشان دہی کرتے ہیں جو امیر خسرو سے بعد کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً لغانی کا یہ شعر:

سرو قدش کہ از چمن جاں برآمدہ
شاخ گلے بہ صورت انساں برآمدہ(۵)

عرفی کی غزل سے شعر:

دو عالم سوختن نیرنگ عشق است
شہادت ابتدای جنگ عشق است(۶)

شیخ سعدی:

ابلہے کو روز روشن شمع کافوری نہد
زود باشدکش بہ شب روغن نہ بینی در چراغ(۷)

اسی طرح شیرانی صاحب نے بعض اشیا کی نشاندہی کی ہے جس کا تعلق خسرو کے عہد سے نہیں ہے۔ مثلاً خواجہ سگ پرست اپنے محل کی چھت پر بیٹھا ہوا دوربین سے دیکھ رہا ہے جب کہ دوربین سترھویں صدی کی ایجاد ہے۔ خسرو کے عہد سے اس کا کیا تعلق ہے۔ اب اسی طرح شیرانی صاحب نے مذہب اور مزاج سے بھی اپنی بات کے لئے دلائل مہیا کیئے ہیں۔ مثلاً

وتوباید کہ بہ مصلحت وقت تقیہ کنی و بے مضائقہ بت راسجدہ کنی۔(۸)

اس عبارت سے نتیجہ نکلتا ہے کہ خسرو شیعہ تھے جبکہ وہ سنی عقیدہ تھے۔ اسی طرح حافظ محمود شیرانی نے اسلوب اور زبان کی بھی جانچ پرکھ کی اور یہ نتیجہ نکالا کہ اس داستان کی زبان کو امیر خسرو کے

عہد کی زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ امیر خسرو صنائع بدائع اور بجل نثر لکھتے تھے۔ جب کہ یہ داستان سادہ وسلیس ہے۔ اس کی املا وانشا بالکل اسی اسلوب میں ہے جو ہمارے ہاں گزشتہ اور اسی سے قبل صدی میں رائج تھا۔ اسی طرح شیرانی صاحب اشیا کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

تومان اور اشرفی کا ذکر اسی تالیف میں کثرت سے موجود ہے۔ اول الذکر ایرانی اور آخر الذکر ہندوستانی سکہ ہے۔ تومان اور اشرفی بحیثیت اصطلاح زرمروجہ بالکل جدید الاستعمال ہیں۔ ۔۔تورچیاں، کشکچیاں، کشک خانہ، اشک و آقابان، وکیل السلطنت خزانہ دار یہ تمام اصطلاحات ہندوستان میں مغلوں کی آمد کے بعد رواج پائی ہیں۔(۹)

اسی طرح "خالق باری" کے بارے میں دلائل دیتے ہوئے شیرانی صاحب لکھتے ہیں۔

خالق باری کا ایک شعر ہے:

درنگ فلوس جو آہے پیکا جیتل دمڑا جاں
درم وانچہ کیسہ کھیسہ جان کیش مان

یہاں درم اور دمڑا جن کا رواج اکبری عہد میں شروع ہوتا ہے قابل غور ہیں۔ اکبر کے یہاں مالیہ کی وصولی چاندی کے روپے کی بجائے تانبے کے جدید الرائج سکے "درم" کے ذریعے ہوتی تھی۔ سلطنت کے تمام صوبوں کی آمدنی منصب داروں اور ملازموں کی تنخواہ، اجناس کا نرخ وغیرہ درموں میں مقرر تھے۔ درم کا وزن ایک تولہ آٹھ ماشے اور سات رتی یا پانچ ٹانک تھا۔ ایک روپیہ کے چالیس درم شمار ہوتے تھے۔(۱۰)

اسی طرح کتاب کے متن میں موجود وزن کی غلطیوں کی طرف توجہ کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

۔۔۔یہ امر قابل غور ہے کہ کتاب نوعمر بچوں کی واسطے لکھی گئی ہے۔ اسی لئے اس کی بحروں کا سبک اور شگفتہ ہونا ضروری تھا۔ لیکن تصنیف ہذا میں کئی موقعوں پر غیر شگفتہ وزن نظر آتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ وزن کی غلطیاں بھی موجود ہیں۔ کوئی مصرع گھٹ گیا ہے۔ کوئی بڑھ گیا ہے۔(۱۱)

اس مختصر جائزے کے ساتھ شیرانی صاحب نے تحقیق اور مخطوطہ شناسی میں جن باتوں کو سامنے

رکھا اور جن علوم پر انھیں عبور حاصل تھا اس کی تصویر سامنے آتی ہے۔ مخطوطہ شناسی میں بعض لوگ شخصیت پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن شیرانی صاحب سیاہ کو سیاہ اور سفید کو سفید کہنے پر کار بند رہے۔ شیرانی صاحب نے کسی کا لحاظ نہیں کیا۔ اور حقیقت شناسی سے کام لیتے ہوئے "دیوان ذوق" کے بارے میں جو انکشافات کیئے وہ کاغذات انھیں اپنے شاگرد آغا باقر سے ملے۔ معذرت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ایک امر میرے لیے موجب تاسف ہے کہ اسی تحقیق وتنقید کے چکر میں آ کر مجھ کو مولانا آزاد خصوصاً ان کے پوت آغا صاحب سے شرمندہ ہونا پڑا۔ مجھ کو پورا پورا احساس ہے کہ میں ان کی مہمان نوازی کا صلہ کھوٹے دموں میں دے رہا ہوں۔ لیکن موقع کی اہمیت کافی عذر خواہ ہے۔ علم پرستی کا لحاظ سب سے اقدم ہے۔ (۱۲)

خوش عقیدگی بھی حقائق کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ شیرانی صاحب اس رکاوٹ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ "دیوان معین" پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ہم میں شمس العلماء کا سا جوش اور وجدان نہیں جو ان کے ہر بیان کو صوفیانہ انداز میں آمنا وصدقنا کہہ دیں۔ (۱۳)

شیرانی صاحب مخطوطے میں موجود خلاف عقل واقعے پر آسانی سے اعتبار نہیں کرتے اور اس کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ شیرانی صاحب کو زبان پر عبور حاصل تھا بلکہ جملہ ارتقائی مراحل سے بھی گہری واقفیت تھی۔ کسی زبان کے قواعد ومحاورات اور ان کے استعمال میں جن فاش غلطیوں کا ارتکاب ہوسکتا ہے شیرانی صاحب نے اسی کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔ شیرانی صاحب فرماتے ہیں:

> ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ امتداد زمانہ اور ارتقائے ایام کے ساتھ ساتھ ہر زبان میں تغیرات پیدا ہوتے ہیں۔۔۔ ہر وقت اور ہر عصر کی زبان میں مختلف نوعیت کی خصوصیت مشاہدہ کی جاسکتی ہے جو اس کو دوسرے ازمنہ کی زبان سے ممیز کرتی ہے۔۔۔ زبان کی نبض شناسی کے لئے لازم ہے کہ ہم اس کے تدریجی تغیر وتبدل کی تاریخ اور ان الفاظ کے حقائق زیست وممات سے بالکل واقف ہوں۔ (۱۴)

اسی طرح مختلف ناموں، القابات، اصطلاحات سے بھی آگاہی ضروری ہے۔ شیرانی صاحب کو اس پر عبور حاصل تھا۔ "تنقید شعر العجم" میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> جب میں نے سلان خان کا نام پڑھا۔ تو بہت حیران ہوا کہ یہ پٹھانوں کا سا نام

غزنوی تاریخ میں کہاں سے نکل آیا۔۔۔آخری تاریخ میں رجوع کرنے سے
معلوم ہوا کہ یہ اسلان خان اصل میں اسلان جاذب ہے۔(۱۵)

مخطوطات میں شیرانی صاحب داخلی اشتہاد سے کام لیتے ہیں بلکہ اردو میں تعارف کا سہرا انھی کے سر ہے کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ واقعاتی شہادت کسی بھی مخطوطے سے مل سکتی ہے کیوں کہ مصنف اپنی تخلیق میں ایسے اشارے کر جاتا ہے جو اس کے عقائد وافکار یا سوانح پر روشنی ڈالتے ہیں "مظہر العجائب" کے سلسلے میں شیرانی صاحب نے "عطار" کے عقائد کے سلسلے میں انھی کی تصنیفات سے شہادت حاصل کی۔ جہاں تک "شہادت کلام" کا تعلق ہے اس کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

ایک اور اصول ہے جس کا علم ہر محقق کے لئے ضروری ہے۔ انسان جس طرح
شکل وصورت، رنگ، اخلاق وطبائع اور مذاق میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں
اسی طرح اظہار خیال اور ادائے مطالب میں ایک دوسرے سے منفرد ہیں۔۔۔
ہر مصنف خواہ وہ کسی پائے کا ہو۔ الفاظ کا ایک خاص ذخیرہ رکھتا ہے۔ جن کے
ذریعے وہ اپنے مطالب ادا کرتا ہے۔(۱۶)

شیرانی صاحب نے "دیوان ذوق" کے اضافے کے بارے میں یہ دلیل دی کہ یہ ذوق کے لہجے اور ادائے الفاظ کے مطابق نہیں ہے۔ لہذا یہ اس کا کلام نہیں ہوسکتا۔ شیرانی صاحب لکھتے ہیں:

جب ایک ماہر آثار قدیمہ کسی شکستہ وریختہ عمارت پر نظر ڈال کر اس کی عمومی وضع،
محرابوں کی ہیبت، گنبدوں کی ساخت، ستونوں کی نقاشی، چھت اور دیواروں کی
گلکاری اور نقش ونگار سے اس کی تعمیر کا صحیح زمانہ قائم کرسکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ
ایک محقق کسی کتاب کے مقالات، کنایات محاورات کو دیکھ کر اس کے عہد
تصنیف کا سراغ نہ لگا سکے۔(۱۷)

شیرانی صاحب نے اپنی علمیت کی بنیاد پر کئی مخطوطات کے بارے میں مغالطے دور کیے۔ "خالق باری" اور "چہار درویش" کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ الغرض حافظ محمود شیرانی صاحب نے اردو زبان وادب میں مخطوطہ شناسی کے میدان میں اصول وضوابط کی بنیاد رکھی۔ وہ اس کے معلم اول قرار پانے کے مستحق ہیں۔

☆☆☆☆☆

حواشی

(۱) تنویر احمد علوی "اصول تحقیق و ترتیب متن" سنگت پبلشرز لاہور 2003ء ص 25

(۲) محمود شیرانی مرتبہ "خالق باری" انجمن ترقی اردو دہلی 1944ء ص 27 ـ 28

(۳) ایضاً ص 52

(۴) مقالات شیرانی کتاب منزل لاہور 1948 ص 31-32

(۵) ایضاً ص 32 (۶) ایضاً ص 33 (۷) ایضاً ص 32

(۸) محمود شیرانی مقالات شیرانی کتاب منزل لاہور 1948 ص 35

(۹) ایضاً ص 34-35 (۱۰) خالق باری ص 57 (۱۱) ایضاً ص 34

(۱۲) مظہر محمود شیرانی مرتبہ مقالات شیرانی جلد سوم مجلس ترقی ادب لاہور 1969ء ص 263

(۱۳) ایضاً جلد ششم ص 125

(۱۴) شیرانی فردوسی پر چار مقالے دہلی 1944ء ص 194 (۱۵) شیرانی تنقید شعر العجم ص 90

(۱۶) فردوسی پر چار مقالے ص 182 ـ 183 (۱۷) ایضاً ص 194

کتابیات

(۱) ایم سلطانہ بخش اردو میں اصول تحقیق اسلام آباد ورڈویژن پبلشرز 1995ء، جلد اول و دوم

(۲) تنویر احمد علوی اصول تحقیق و ترتیب متن لاہور سنگت پبلشرز 2003ء

(۳) رشید حسن خان ادبی تحقیق مسائل و تجزیہ لاہور الفیصل پبلشرز 1989ء

(۴) محمود شیرانی (مرتبہ) خالق باری دہلی انجمن ترقی اردو 1944ء

(۵) محمود شیرانی (مرتبہ) مجموعہ نغز لاہور پنجاب یونیورسٹی، 1944ء

(۶) محمود شیرانی (مرتبہ) مقالات شیرانی لاہور مجلس ترقی ادب 1972ء، جلد اول، دوم، سوم ششم

(۷) مظہر محمود شیرانی حافظ محمود شیرانی اور لاہور مجلس ترقی ادب 1970ء، ان کی علمی و ادبی خدمات